(۳) وَّاٰخَرِیۡنَ مِنۡهُمۡ (ترجمہ:۔اوران کے دوسرے لوگ) امیین پر عطف ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کوامیین اوران ہی کے دوسروں میں مبعوث فرمایا۔ لَمَّا يَلۡحَقُوۡا بِهِمۡ (ترجمہ:۔جو ابھی تک ان سے ملحق نہیں ہوئے) صاحب کشاف نے کہا کہ ان سے نہیں ملے اوران سے ملیں گے اور یہ لوگ وہ ہیں جو صحابہؓ کے بعد ہوں گے۔اور یعلمهم میں موجود منصوب ضمیر پر عطف کرتے ہوئے آخرین منهم کونصب دینا جائز ہے عبارت یہ ہوگی۔یعلمهم ویعلم آخرین۔چونکہ تعلیم جب آخری زمانے تک چلتی ہوئی آئے تو ہر بعد میں آنے والا پہلے والے کے ساتھ جڑا ہوگا پس گویا وہ ایسا ہے جیسے کہ ان میں سے ہر فرداس کے ساتھ ملا ہوا ہے۔حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے تھے تو ان پر سورۃ الجمعہ نازل ہوئی۔ جب یہ آیت تلاوت کی گئی ”و آخرین منهم لما یلحقوا بهم“ تولوگوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ یہ کون لوگ ہیں۔آپؐ ان کی طرف رجوع نہیں ہوئے یہاں تک کہ تیسری بار سوال کیا گیا اور ہمارے درمیان سلمان فارسیؓ بھی تھے پھر آپ نے فرمایا اگر ایمان ثریا کے پاس ہوگا (یعنی آسمان پر ہوگا) ان کی قوم کے کچھ لوگ یا کوئی ایک آدمی پالے گا۔ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں اسے بیان کیا ہے جو کہ بخاری اور مسلم میں مروی ہے۔اور ابن ابی حاتم نے سہل بن سعد الساعدی سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بلاشبہ میری امت کے مرد وعورتیں جو اصلاب (تین بار فرمایا) میں ہیں جنت میں بغیر حساب داخل ہوں گے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی و آخرین منهم لما یلحقوا بهم یعنی اس سے مراد محمد ﷺ سے باقی رہنے والے اوران کے بھی پیچھے آنے والے ہیں۔اور دونوں حدیثیں مرفوع ہیں رسول اللہ ﷺ تک۔اور مجاہد نے اور ابن جبیر نے کہا اس سے مراد روم وعجم ہیں۔مجاہد نے بھی کہا اور عکرمۃ اور مقاتل نے کہا اس سے مراد تابعین ہیں ابنائے عرب میں سے اور مجاہد ٗضحاکٗ ابن حیان نے کہا اس سے مرادلوگوں کے گروہ ہیں۔ابن عمر نے کہا اس سے مراد اہل یمن ہیں اور مجاہد نے یہ بھی کہا کہ اس سے مراد ابنائے الاعاجم (عجم کے لوگ) ہیں اور ابن زید سے یہ بھی مروی ہے کہ وہ تابعین ہیں اور ضحاک سے یہ بھی مروی ہے کہ عجم مراد ہے۔اور ان اقوال کا منشاء رائے اور خیال کا اظہار ہے اسی لئے مجاہد کی رائے ایک قول پر نہیں رہی۔بلکہ ان سے مختلف اقوال مروی ہیں۔اور اسی طرح کا حال ضحاک کا ہے لہذا ان آراء پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔پس ہمیں لازم ہے کہ ہم ان دونوں حدیثوں کے بارے میں بات کریں۔پہلی حدیث جو ابو ہریرہؓ سے مروی ہے وہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ صحابہؓ کے اس بار بار کے سوال سے راضی نہیں تھے اور اسی لئے انہوں نے ان کی بات کا جواب نہیں دیا جب پہلی بار انہوں نے پوچھا یہ لوگ کون ہیں یا رسول اللہ ﷺ یہاں تک تین بار سوال کیا تب عمومی انداز سے جواب دیا اور فرمایا اگر ایمان ثریا پر پہنچ جائے گا تو ان میں سے لوگ وہاں پہنچ جائیں گے اور کوئی شخص اور سلمان فارسیؓ کی طرف اشارہ فرمایا۔پس اس جواب سے ظاہر ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نہیں چاہتے تھے کہ اس بیان کے ذریعہ جواب دیں جس سے ابہام کے پردے کھلیں جو کہ مقصود ہے پس آپ نے مجمل جواب دیا اور اسے مبہم ہی رکھا اور جو کچھ اس خبر (حدیث) سے ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ”و آخرین منهم لما یلحقوا بهم“ سے اللہ کی مراد سوائے غیر عرب کچھ اور نہ تھا۔اور اسی کی طرف امام رازیؒ اپنی تفسیر میں گئے ہیں اور انہوں نے کہا کہ امیین سے مراد عرب اور

آخرین سے مراد ان کے سوا دوسری اقوام ہیں ۔ جہاں تک دوسری حدیث کا سوال ہے جسے سہل بن السعدؓ نے روایت کیا۔اس میں حدیث ابی ہریرہؓ سے زیادہ ابہام واخفاء ہے اس لئے کہ آپ نے فرمایا" **ان فی اصلاب اصلاب اصلاب رجال ونساء من امتی یدخلون الجنة بغیر حساب**" اور پھر یہ آیت تلاوت فرمائی **وآخرین منهم لما یلحقوا بهم**" آپ ﷺ نے اس حدیث کے بارے میں وضاحت بھی نہیں فرمائی کہ وہ لوگ عرب میں سے ہوں گے یا غیر عرب میں سے ہوں گے۔اور نہ ہی ان کا زمانہ متعین فرمایا بلکہ کلمہ "اصلاب" تین بارادا کیا۔ پس اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ یہ لوگ ان کے عہد سے بہت زمانے بعد ہوں گے۔ مختصر یہ کہ ان دونوں حدیثوں سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ اللہ کی "**وآخرین منهم**" سے کیا مراد ہے۔ کیونکہ یہ خبر "خبر مغیب" (آنے والے دور کی خبر) ہے اور ہر خبر مغیب اپنے الفاظ سے یہ ظاہر نہیں کرتی کہ اس کی مراد کیا ہے۔ کیونکہ اس میں دراصل اللہ کی طرف سے امتحان ہے۔ جس کے ذریعہ وہ اپنے بندوں کو آزماتا ہے۔اور ان کو تکلیف میں ڈالتا ہے۔ پس اس کے معنی نہیں ظاہر ہوتے سوائے اس پر جس کا سینہ اللہ نے نور معرفت وایمان سے کھول دیا ہو۔ پس اس کی مراد اس کے قلب پر منکشف ہوجاتی ہے اور جس کو یہ نور اللہ نے عنایت نہیں کیا ہوتو اس کے قلب میں شکوک کے ظلمات اور اوہام کے حنادس (تاریکیاں) رہ جاتی ہیں۔ پس وہ اس کے معنی نہیں سمجھتا اور نہ ہی اس کے مغز کی معرفت نصیب ہوتی ہے۔ کیا آپ نے توراۃ میں مذکورہ موسیٰؑ، عیسیٰؑ اور محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا بیان نہیں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ظہور کے بارے میں خبریں ایسے کلمات میں دی ہیں جو کہ مشکل ہیں اور مجمل ہیں ان کے حقیقی معنی کسی ایک نبی پر صادق نہیں آتے وہ معانی جو علامہ تفتازانی نے شرح المقاصد میں بیان کیا ہے۔اور کہا ان کے ظہور کے بارے میں آسمانی کتابوں میں بیان کیا گیا جیسا کہ توراۃ میں ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ طور سیناء پر آیا اور سعیر سے چمکا اور فاران کے پہاڑوں سے بلند ہوا اور یہ کہ اللہ نے موسیٰؑ سے فرمایا میں ان کے لئے تیری طرح ان کے بھائیوں کی اولاد سے ایک نبی بھیجوں گا اور میں اپنا قول اس کے منہ میں جاری کروں گا اور وہ انہیں وہی کہے گا جو میں کہوں گا نیز اس میں یہ بھی ہے کہ ہاجرہ بچے جنے گی اس کے بچوں میں ایک ایسا ہوگا جس کا ہاتھ سب سے اوپر ہوگا اور سب کے ہاتھ اس کی طرف خشوع کے ساتھ پھیلیں گے۔ پس ان میں سے پہلا جملہ اس بات پر دلالت کرتا ہے اللہ طور سینا پر آیا اور ظاہر ہے آنا اور جانا صفاتِ جسمانیات میں سے ہے۔اور اللہ تعالیٰ جسم نہیں ہے اور نہ ہی جسمانی ہے پس اس کے حق میں محال ہے کہ اسے جسمانی صفات سے متصف مانا جائے۔ پس اس کے یہ معنی صحیح نہیں ہوں گے سوائے اس کے یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا کوہِ طور پر آنا اس کی صفات میں سے ایک صفت کا ظہور ہے۔ جیسے کہ صفتِ کلام اور وہ توراۃ ہے جو موسیٰ پر نازل کیا گیا ہے یا اس سے اللہ کے کسی نائب کا آنا مراد لیا گیا ہے۔اور وہ موسیٰ ہیں جب وہ نبوت ورسالت سے موصوف ہوئے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا بھڑکتی آگ سے اشراق بھی بعید از قیاس ہے۔ کیونکہ اشراق صفتِ اجسام میں سے ہے جیسے کہ سورج اور برق۔ اس سے یہ معنی اللہ سے منسوب کرنا صحیح نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ کہا جائے کہ اس کے اشراق سے مراد ظہور انجیل ہے۔ جو حضرت عیسیٰ پر نازل ہوئی یا حضرت عیسیٰ کی بعثت ہے۔اور اسی طرح اس کا فاران کی چوٹیوں (پہاڑوں) سے نمودار ہونا۔ پس اس سے مراد یا تو ظہور قرآن ہے یا مکہ میں محمد ﷺ کی بعثت ہے۔ پس فاران

سے مراد مکہ ہے جیسا کہ اس کے مقام پر ذکر کیا گیا ہے۔ پس جو معنی ہم نے واقع کی مطابقت کی وجہ سے بیان کئے ہیں وہ اس کے مجازی معنی ہیں۔ علاوہ ازیں اس جملہ میں صیغۂ ماضی استعمال ہوا ہے اور اس سے مراد امور لئے گئے جو مستقبل میں ظہور پذیر ہوں گے۔ پس اس مقام پر اس طرح بیان کیا جانا خفاء کو خفاء سے اضافہ کرتا ہے۔ پس انسان ان کے معنی نہیں سمجھ سکتا سوائے اس شخص کے جسے اپنے پاس سے اللہ نے نور معرفت و ہدایت عطا کی ہو۔ اور یہ اس کا فضل ہے جسے چاہے عطاء کرے اور اللہ زبردست فضل کرنے والا ہے۔ جہاں تک اس شخص کا تعلق ہے جو ان کے معانی نہیں سمجھ سکتا اور ان جیسی خبروں کے حقیقی معنوں تک رسائی نہ پاسکتا ہو وہ راہِ راست پر بھٹک جاتا ہے وہ جہالت کے بندھنوں میں جکڑ جائے گا اور ضلالۃ کی زہریلی پھنکاروں کا اسیر ہو جائے گا۔ ان کی قیود سے کبھی نہیں نکل سکے گا بس اس کے نزدیک اخبار مغیبہ غیر مفید جملے اور مجہول قسم کی غیر واضح پہیلیاں بن جائیں گی کیونکہ یہ کسی پروارد میں ہوا اور نہ ہی سنا گیا کہ اللہ طور سینا سے آیا یا سعیر سے چمکا یا فاران کے پہاڑوں سے نمودار رہا۔ اور قیامت کے دن تک انتظار کرتا ہوا رہ جائے گا اور انبیاء و خلفاء میں سے کسی پر بھی ایمان نہ لائے گا اور یہ اس لئے کہ وہ اس کے لغوی اور وضعی معنی کے علاوہ کسی چیز کا ادراک نہیں رکھتا اور اس قسم کی خبریں ان معنی کی متحمل نہیں ہوسکتی کیونکہ عجیب وغریب قسم کے استعارے ہیں ان الفاظ سے ان کے دور والے لوازم مراد ہیں۔ اسی طرح تمام غیبی خبروں کے بارے میں ہے پس جملہ ثانی میں اس قول سے "من بنی اخوتھم مثلک الاخوة البعیدة" سے دور والے بھائی مراد ہیں۔ کیونکہ ان میں محمد ﷺ کے آنے کی خبریں ہیں اور وہ بنی اسمٰعیل میں سے ہیں اور اگر بھائیوں سے مراد نزدیکی بھائی مراد لئے جائیں تو لازم آئے گا کہ جس کے آنے کی خبر دی جارہی ہے وہ لاوی بن یعقوبؑ کی اولاد میں سے ہو کیونکہ موسیٰ لاوی کی اولاد میں سے تھے۔ پس لازم ہوگا کہ موسیٰؑ کے بھائی لاوی کی اولاد میں سے ہوں۔ پس یہ خبر محمد ﷺ پر صادق نہیں آئے گی اور اگر اس بھائی چارے سے مراد دور کا بھائی چارہ ہو اور اسی طرح اس کا کہنا کہ ہاجرہ بچے جنے گی اور اس کے ایک بچہ کا ہاتھ سب پر ہوگا یہ اسمیں ایک انوکھا استعارہ ہے اور اس سے مراد یہ ہو کہ اسمٰعیل کی اولاد میں سے ایک شخص جس کا ہاتھ سب پر ہوگا تو پھر اس معنی کے اعتبار سے توریت کی یہ خبر نبیؐ پر صادق آتی ہے اس لئے کہ آپ ﷺ ہی بنی اسمٰعیل میں سے ہیں اور اگر اس سے حقیقی معنی مراد لیا جائے تو پھر اس جملے کے معنی درست نہیں ہوں گے کیونکہ ہاجرہ زوجہ ابراہیمؑ موسیٰؑ پر توریت کے نزول سے پہلے فوت ہو چکی تھی اور حضرت موسیٰؑ حضرت ابراہیمؑ کے بہت صدیوں کے بعد پیدا ہوئے تھے لہٰذا یہ قول کیسے صحیح ہوسکتا ہے کہ ہاجرہ بچہ وغیرہ جنے گی کیونکہ یہ خبر اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ہاجرہ سے پیدا ہونے والا بچہ توریت کے نزول کے زمانے سے بھی آئندہ زمانے میں ہوگا اس بیان سے یہ ظاہر ہوا کہ اس قسم کی خبریں اپنے حقیقی معنوں پر دلالت نہیں کرتیں۔ پس جب آپ یہ سمجھ گئے تو ہم کہتے ہیں "وآخرین منھم لما یلحقوا بھم" کے معنی یہ ہیں کہ ھو الذی بعث فی آخرین منھم رسولا لما یلحقوا بھم اور بعث فی آخرین منھم رسولا سے مراد محمد ﷺ ہیں یعنی اللہ نے جس طرح محمد ﷺ کو امیین میں رسول بنا کر بھیجا اسی طرح انہیں دوسروں میں بھی رسول بنا کر بھیجا۔ پھر دوسروں میں آپ ﷺ کا بطور رسول مبعوث ہونا اس بات سے خالی نہیں ہے کہ آپ ﷺ امیین میں مبعوث ہونے کے بعد بعینہٖ دوسروں میں بھی مبعوث

ہوں یا دوبارہ بھیجے جانے سے مراد امت میں آپ کے مثل کا بھیجا جانا مراد لیا جائے اور پہلی بات دلائل سے باطل ہے۔ کیونکہ اس سے تناسخ لازم آتا ہے جو عقلی و نقلی دلائل کی رو سے مردود ہے جیسا کہ اس کے مناسب مقام پر بیان بھی کیا گیا ہے۔ پس باقی رہ گئی دوسری بات۔ وہ یہ آپ کی بعثت سے آپ کے مثل کی بعثت مراد لی جائے اور آپ کے مثل سے مراد ائمہ مجتہدین مراد لینا جائز نہیں ہے کیونکہ وہ معصوم نہیں ہوتے۔ پس وہ آپ کی مثل بھی نہیں ہوں گے اور اس اعتبار سے بھی کہ وہ امت کے اول دور میں تھے لہٰذا ان پر " آخرین منهم" کا اطلاق نہیں ہوتا۔ پس آپ ﷺ کے مثل سے مراد امام مہدی موعود علیہ السلام ہی ہیں جن کے آنے کا وعدہ کیا گیا ہے اور ہمارے اس نظریہ کی تائید احادیث صحیحہ مرفوعہ متواترہ بالمعنی کے ذریعہ ہوتی ہے جیسے کہ ہم نے بعض رسائل میں بیان کیا ہے۔ **وَهُوَ الْعَزِيْزُ** (ترجمہ:۔ وہ غالب ہے) یعنی زبردست عزت والا ہے **الْحَكِيْمُ** (ترجمہ: حکمت والا ہے) یعنی حکمت و علم میں کامل ہے۔

(۴) **ذٰلِكَ** (ترجمہ: اور یہ) یعنی اہل بیت نبیؐ میں سے ایک شخص کا اس طرح اصلاح پذیر ہونا کہ وہ اللہ کی طرف دعوت دینے کے معاملہ میں آپ کی مثل بن جائے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا ''مہدی میرے اہل بیت سے ہے اللہ سے اسکی ایک ہی رات میں اصلاح فرمادے گا اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ **فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيْمِ** (ترجمہ:۔ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطاء کرتا ہے اور اللہ زبردست فضل والا ہے) کوئی بھی فضل اس کے مساوی اور قریب نہیں ہوسکتا۔

(۵) **مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ** (ترجمہ:۔ ان لوگوں کی مثال جن پر توراۃ کا بوجھ ڈالا گیا) اور وہ یہود ہیں۔ **ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا** (ترجمہ:۔ پھر انہوں نے اسے نہیں اٹھایا (عمل نہیں کیا) یعنی انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا جس کا توراۃ میں انہیں کرنے کو کہا گیا تھا۔ پس وہ **كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا** (ترجمہ: اس گدھے کی مثال ہے جس نے کتابوں کو اٹھا رکھا ہے) جمہور نے **حملو** امشدد پڑھا ہے مفعول کے طور پر لیکن یحیٰی بن یعمر اور زید بن علی نے فاعل کے طور پر مخفف پڑھا ہے۔ ان کے اوصاف کی تشبیہ گدھے کی صفت سے دی گئی ہے جس نے اپنی پیٹھ پر کتابیں اٹھا رکھی ہیں اور وہ نہیں جانتا کہ اس پر کیا ہے کتابیں ہیں، پتھر ہیں یا لکڑیاں اور اسی معنی میں شاعر نے کہا ہے۔

سروایل	للاشعار	لاعلم	عندهم	بجيد	ها	الا	كعلم	الا باعر
لعمرک	ما	يدرى	البعير	اذا غدى	بادساقه	اور	اح ما	فى الغرائر

اور عبداللہ نے اسے نکرہ پڑھا ہے۔ اور مامون بن ہارون نے **يحمّل** کو میم کی تشدید پر محمول کیا ہے مفعول کی بناء پر۔ اور جمہور نے **الحمار** کو معرفہ پڑھا ہے۔ **يحمل** کو فاعل پر مبنی کرتے ہوئے مخفف پڑھا ہے۔ **يحمل** منصوب ہے حال ہونے کی وجہ سے اور معنی یہ ہیں۔ یہ لوگ جنہوں نے وہ کتاب اٹھا رکھی ہے جو ان پر اللہ نے نازل کی ہے۔ اس کی مقتضاء پر عمل نہیں کر رہے ہیں۔ بلکہ اس کی انہوں نے تاویل کی اور اس میں تحریف کی پس ان کا حال بہت زیادہ قبیح ہے اور صورت حال گدھے سے زیادہ بری ہے۔ اس لئے کہ اللہ